کتاب نما

اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش : از علی عزت بیگو وچ- ترجمہ : محمد ایوب منیر- ناشر: ادارہ معارف اسلامی' ملتان روڈ لاہور ۔ صفحات ۳۹۵ ۔ قیمت درج نہیں-

یہ کتاب جمہوریہ بوسنیا کے صدر جناب علی عزت بیگو وچ کی تصنیف Islam between East and West کا ترجمہ ہے- فاضل مصنف نے کمیونزم اور (اب) مسیحی تعصب کے خلاف ایک طویل جدوجہد کی ہے- نصف صدی پر محیط اس جہاد کے دوران میں انھوں نے اپنے متعدد ساتھیوں سمیت قیدوبند کی صعوبتیں بھی برداشت کی ہیں- ایسے مصروف سیاستدان سے کسی بلند پایہ علمی کام کی توقع مشکل ہی سے کی جاسکتی ہے' مگر اس کتاب کو پڑھیں' پھر اس کے مصنف کی شخصیت کو ذہن میں لائیں تو قحط الرجال کے اس عہد میں ایک خوشگوار حیرت ہوتی ہے- ایک شخص اپنے دَور کے تقریباً" تمام اہم افکار و نظریات کا مطالعہ' پھر ان کا تقابل و تجزیہ کرتا ہے' دوسری طرف انتہائی مشکل حالات میں اپنی قوم کی ایسی عملی راہنمائی کرتا ہے کہ مسلمانان بوسنیا ترقی یافتہ دنیا کی علانیہ مخالفتوں اور خفیہ سازشوں کے باوجود پوری ثابت قدمی کے ساتھ اپنی بقا کے لیے مصروف جہاد ہیں- علمی و فکری راہنمائی کا ایسا امتزاج' آج کی ملت اسلامیہ میں شاذو نادر ہی نظر آتا ہے-

زیر تبصرہ کتاب کا موضوع انسان' اس کی مختلف سرگرمیوں کی نوعیت اور اس کے لیے صحیح اور فطری راہنمائی ہے- آغاز' انسان کی ابتدا کے بارے میں بحث سے ہوتا ہے- مصنف کا خیال ہے کہ اس بارے میں سائنس کا فیصلہ ڈارون کا پیش کردہ نظریۂ ارتقا ہے- اس فیصلے کو سائنس کی نوعیت کی روشنی میں دیکھنا چاہیے- سائنس کا مقصد عقل (یعنی منطق) سے کام لے کر مادی دنیا کی تسخیر ہے اور اس کا مقصود انسان کا جسمانی فائدہ ہے- اس طرح سائنس کا دائرہ کار انسان کے باہر کی مادی دنیا بنتا ہے' مگر سائنس نے اپنی حدود سے آگے بڑھ کر جاندار اشیا اور خود انسان کی حقیقت کے بارے میں فیصلہ دینا چاہا اور اس کوشش میں

آدمی کی ایک مشینی اور مفاد پرستانہ تصویر پیش کی' یعنی ڈارون ازم- یہ تصویر انسان کی مکمل تصویر نہیں ہے' کیوں کہ ابتدائی دور کی پسماندہ ترین اقوام میں بھی مفاد سے بالاتر ہو کر سوچنے' حواس خمسہ سے ماورا عالَم کا تصور رکھنے اور مذہبی نوعیت کے رسم و رواج بجالانے کے آثار ملتے ہیں- ایسی روحانی سرگرمیوں کی کوئی مادی (یعنی ڈارون ازم پر مبنی) تشریح ممکن نہیں- مزید یہ کہ انسان کی تمدنی زندگی کے برعکس اس روحانی اور ثقافتی دنیا (ادب' مصوری اور مذہب) میں کوئی ارتقا نہیں دیکھا گیا- مادی لحاظ سے پسماندہ ترین معاشرے بھی اس معاملے میں اتنے ہی آگے ہیں جتنی کہ آج کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی اقوام- یہ روحانیت ہی انسان کا جوہر' پہچان اور کائنات میں اس کی انفرادیت ہے-

کتاب کے پہلے پانچ ابواب میں مادیت اور روحانیت کے مظاہر کا طویل بیان ہے- کہا گیا ہے کہ سائنس و مادہ پرستی کی شکلیں: تمدن' ترقی' ٹیکنالوجی' تعلیم' معاشرہ' بڑے شہر' مفاد عامہ' عمل اور مارکسزم ہیں- دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کے روحانی پہلو کا اظہار ادب' ثقافت' انقلاب' انسانی اقدار' تصوف' انفرادی آزادی' دیہاتی زندگی' حقوق انسانی' نیت اور مذہب (اپنے محدود مفہوم میں) کی صورت میں ہوتا ہے- کتاب میں ایک ایک مادی مظہر کو لیا گیا ہے اور اس کا تقابل کسی نہ کسی روحانی سرگرمی سے کر کے انسان کی ایک دو پہلو تصویر پیش کی گئی ہے- چوں کہ عصر حاضر میں مادیت اور روحانیت کا سب سے نمایاں اظہار کمیونزم اور عیسائیت کی صورت میں ہوا' لہٰذا کتاب کا ایک بڑا حصہ ان دونوں کے تقابل پر مشتمل ہے- کتاب کے عنوان میں اسی تہذیبی کشمکش کی طرف اشارا ملتا ہے-

جناب بیگووچ کا خیال ہے کہ سوشلزم اور عیسائیت میں سے کوئی بھی نظامِ حیات انسان کے لیے موزوں نہیں' کیونکہ انسان نہ محض مشین ہے کہ سوشلزم سے مطمئن ہو جائے اور نہ محض روح کہ عیسائیت کے مطابق کامیاب زندگی گزار سکے- انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے لہٰذا جب سوشلزم یا عیسائیت جیسے نظام ہائے حیات کو انسانوں پر نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو ان میں سے ہر ایک کو اپنی اصلی شکل میں تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں- سوشلزم کو آزادی' مساوات' حقوق انسانی' قومی جذبہ وغیرہ جیسے نعرے اپنانا پڑتے ہیں' جو اپنی اصل میں مذہبی نعرے ہیں- اسی طرح عیسائیت کو رنگ و بو کی دنیا کی طرف توجہ دینی پڑتی ہے- سوشلزم اور عیسائیت کی یہ "درگت" (ناکامی) ظاہر کرتی ہے کہ انسان کے لیے صحیح ضابطہ حیات وہی ہو سکتا ہے جو اپنی اصلی شکل میں جسم اور روح دونوں کے تقاضے پورے

کرے۔ کتاب کے آخری پانچ ابواب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ایسا نظامِ حیات صرف اسلام ہے جس میں بشر رہتے ہوئے اور ترکِ دنیا کیے بغیر، روحانی ترقی اور اُخروی نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ ہر اسلامی عمل میں جسم اور روح دونوں حصہ لیتے ہیں۔ جیسے نماز میں تلاوت و تسبیح سے پہلے جسم کو صاف کرنا پڑتا ہے، یعنی وضو کرنا ہوتا ہے۔ عیسایت میں عبادت کے لیے جسمانی صفائی ضروری نہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کی تمام تر خوبیوں کے باوجود اسے اپنے موضوع پر حرف آخر قرار دینے میں کئی موانع ہیں۔ مصنف نے سائنس کی ۲ + ۲ = ۴ جیسی خشک منطقی اور میکانکی تصویر پیش کرنے کے بعد، یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جوہرِ انسانی (تخلیقی صلاحیت) کا اظہار صرف غیر سائنسی سرگرمیوں (خصوصاً" فنون لطیفہ) ہی میں ہوتا ہے۔ نتیجتاً" مصنف ہر طرح کے ادب اور مصوری وغیرہ کو انسانیت کی معراج اور انتہائی مقدس قرار دینے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ سائنس کی اس خشک تصویر سے اکثر سائنس دان اتفاق نہیں کریں گے، جو تصور کرتے ہیں کہ سائنس بھی کسی حد تک تخلیقی عمل ہے، اور یہ کہ جیسے مختلف انسان مختلف ادب پیدا کرتے ہیں اسی طرح مختلف سائنس دان بھی کسی ایک مسئلہ کے بارے میں متعدد نظریے پیش کرسکتے ہیں۔ اگرچہ سائنس میں ہر نظریے کے پیش کار کو اپنے خیالات کی مثالیں اور دلائل دینا ہوتے ہیں۔

اس پہلو کو نظر انداز کر دینے کے باعث زیرِ تبصرہ کتاب کے مصنف ڈارون کے خیالات کو سائنس کی حتمی رائے قرار دیتے ہیں، مگر اس کے باوجود (انسان کے روحانی تجربات کے پیشِ نظر) اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ زندگی کے روحانی پہلو کی اہمیت نہ سمجھنے والے ایک عام شخص کے لیے ان کی دلیل کو موجودہ شکل میں جذب کرنا شاید مشکل ہو۔ وہ واضح الفاظ میں جاننا چاہے گا کہ "سائنس سے بھی بڑی دلیل" کونسی ہے اور کیوں ہے؟

سرمایہ دارانہ نظام کے مختلف پہلوؤں پر اس کتاب میں کئی جگہ تنقید کی گئی ہے۔ بایں ہمہ مصنف نے سرمایہ داری اور جمہوریت کی حیثیت اس طرح متعین نہیں کی جیسی سوشلزم اور عیسائیت کی۔ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ مصنف سرمایہ داری کو آج کی مغربی دنیا میں عیسائیت کی عملی شکل سمجھتے ہیں یا کچھ اور؟ کتاب کے آخر میں وہ برطانوی اور امریکی معاشرے اور یورپ کی چند سیاسی پارٹیوں کے بعض پہلوؤں کی تعریف کرتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ " ایک غیر مسلم قوم ایمان لائے بغیر بھی کسی حد تک اسلامیت اختیار کر سکتی ہے۔" ممکن ہے

کچھ مدتوں کے لیے یہ بات قابل قبول نہ ہو۔کتاب کے شروع میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ "یہ اسلام پر ایک جامع کتاب نہیں" نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کے مخصوص عقائد کے حق میں دلائل اس کتاب کے دائرہ بحث سے خارج ہیں۔

ایسے مشکل اور منطقی مباحث کی حامل اس کتاب کا ترجمہ کرنا آسان کام نہ تھا' مگر فاضل مترجم جناب ایوب منیر نے بڑے عمدہ انداز میں اس چیلنج سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کی ہے۔ ان کا ترجمہ رواں اور محاوراتی ہے۔ البتہ کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ "محاوراتی" ہو گیا ہے۔کتاب کے انگریزی متن میں موجود چند دلائل اردو ترجمے میں جگہ نہیں پا سکے۔ فنونِ لطیفہ پر ایک پورا باب (نمبر۳) محذوف ہے۔ اس طرح بعض دیگر ابواب کے چند حصوں کا ترجمہ شامل نہیں کیا گیا۔ اگر اس کا سبب مترجم کی یہ رائے ہے کہ اردو دان طبقہ استدلالی انداز سے زیادہ مانوس نہیں تو یہ ناقابل قبول ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر اردو زبان منطق و فلسفہ سے کیوں کر مانوس ہو گی۔ ہمارے خیال میں اردو دان طبقے کو استدلالی انداز سے مانوس کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے مباحث آسان اور عمدہ اسلوب میں ان کے سامنے پیش کیے جائیں۔ چوں کہ سائنس و فلسفہ مترجم کا میدان نہیں ہے اس لیے بعض مشکل خیالات اور عبارات میں منطقی ربط قائم رکھنے میں کہیں کہیں عجز کی صورت نظر آتی ہے۔

اس سے قطع نظر یہ کتاب قارئین پر سوچ کی نئی راہیں کھولتی اور انھیں علم اور فکر کے نئے آفاق سے روشناس کراتی ہے اور مروجہ افکار و نظریات اور علوم و فنون کے بارے میں ایک اسلامی نقطۂ نظر کی تعمیر و تشکیل کرنے کی طرف ایک اہم قدم ہے۔کتاب پر قیمت درج نہیں' یہ کوتاہی افسوس ناک ہے۔

(ڈاکٹر بلال مسعود)

THE ROLE OF JUDICIARY AND THE OBJECTIVES RESOLUTION

از سردار شیر عالم خان ایڈووکیٹ۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' مرکز ایف ۷/ اسلام آباد۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت ۵۰ روپے

پاکستان کا قیام مسلمانان برعظیم کے گہرے تاریخی شعور اور اسلامی تصورِ حیات کے لیے ان کی طویل جدوجہد کا ثمر ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران میں بانی پاکستان اور مسلم لیگ

کے بہت سے دوسرے راہنماؤں نے بار ہا یہ اعلان کیا کہ حصولِ پاکستان کا مقصد اس خطۂ زمین کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا ہے' مگر پاکستان بن گیا تو حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ سید مودودیؒ کو اسلامی دستور کے لیے عوامی سطح پر جدوجہد کا آغاز کرنا پڑا۔ دستور ساز اسمبلی کے ایوان میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی رہنمائی اور لیاقت علی خان مرحوم کی قیادت میں سردار عبدالرب نشتر' ڈاکٹر عمر حیات ملک' ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی' چودھری نذیر احمد جیسے لوگوں نے پوری کوشش کی کہ اس نوزائیدہ مملکت کے نظریے اور عقیدے کا آئینی سطح پر اعلان کیا جائے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ کو منظور ہونے والی "قرار دادِ مقاصد" انھی مساعی کا نتیجہ تھی۔

"قرار داد مقاصد" کی منظوری کے بعد' وطن عزیز کی سیکولر قوتوں کو جمہوری انداز اپناتے ہوئے اسے تسلیم کرلینا چاہیے تھا' مگر ایسا نہیں ہوا' جس کے نتیجے میں ملک پہلی دستور ساز اسمبلی کی تحلیل' ۱۹۵۳ کی تحریکِ ختم نبوت' اور ۱۹۵۶ کے آئین کی پامالی جیسے افسوس ناک سانحوں سے دو چار ہوا۔ اس صورت حال میں قرار داد مقاصد کی حیثیت ایک نمائشی دستاویز بن کر رہ گئی تا آنکہ ۱۹۷۳ کے آئین میں آٹھویں ترمیم (آرٹیکل ۲' الف) کے ذریعے اس کا قرار واقعی مقام متعین کیا گیا' چنانچہ اب یہ قوتِ نافذہ کی حامل زندہ دستاویز بن گئی ہے اور مطلوب بھی یہی تھا۔

افسوس ہے کہ (شاید "روشن خیالی" اور مغرب سے مرعوبیت کے زیرِ اثر) سپریم کورٹ آف پاکستان کے جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے "قرار دادِ مقاصد" کی اس برتر آئینی حیثیت کو تسلیم کرنے سے صریحاً" انکار کر دیا۔ انھوں نے "حاکم خان کیس بنام حکومت پاکستان" ۱۹۹۲ میں "قرار دادِ مقاصد" کی' متذکرہ بالا دستوری فضیلت کے تصور کو مسترد کر دیا۔ اسلامی تصورِ عدل کے برعکس ہماری اعلیٰ عدالتیں اپنے فیصلوں پر سنجیدہ رائے زنی کو "توہین عدالت" کے زمرے میں لاتی ہیں' لیکن سچی بات یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے اس "استحقاق" کا اطلاق قرآن و سنت' اسلامی شعائر اور متفقہ قومی مینڈیٹ کی تعبیر و تنقید کا حلیہ بگاڑنے پر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہمارے بعض قانون دان یا وکلا جب شریعت کورٹ کو "نام نہاد عدالت" کہتے اور لکھتے ہیں تو ہمارے اعلیٰ عدالتی نظام کو اس میں "توہین عدالت" کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔۔۔؟

تبصرہ نگار کے خیال میں جسٹس محمد منیر نے تحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ کی "انکوائری رپورٹ" میں

جس منفی عمل کا آغاز کیا تھا' وہی سوچ' بہ اندازِ دگر' جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ صاحب کے متذکرہ فیصلے میں نظر آتی ہے۔ ہماری قابلِ احترام عدالتِ عظمیٰ کے ان نامور افراد کے یہ فیصلے روح کے اعتبار سے ایک جیسی سیکولر سوچ کے حامل ہیں۔

جناب سردار شیرعالم ایڈووکیٹ نے "حاکم خان کیس" سے پیدا شدہ خطرے کی شدت کو بھانپتے ہوئے دینی حمیت پر بے حسی اور خاموشی کے اس ماحول میں کلمہ حق بلند کیا ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے غیر جذباتی مگر مضبوط اور تحقیقی استدلال میں خود مغربی اور امریکی اعلیٰ عدالتوں اور اسکالرز کے نظائر کے حوالے سے "حاکم خان کیس" میں پوشیدہ مغالطوں اور حدود سے تجاوز رویوں کا بھرپور محاکمہ کیاہے۔ دستوری تاریخ' آئینی امور اور فنی مباحث کا یہ گلدستہ اپنے دامن میں دلیل اور اپیل کا جہانِ معانی سمیٹے ہوئے ہے۔ ایک اعتبار سے یہ پاکستان کی آئینی تاریخ اور اسلامی قانون کے حرکی پہلو کا مختصر مگر جامع تجزیہ بھی ہے۔ یہ مقالہ سردار شیرعالم ایڈووکیٹ کی پیشہ وارانہ دیانت' جراتِ اظہار اور ایمان کی پختگی کا مظہر ہے۔

پیش لفظ میں وفاقی شرعی عدالت کے سابق چیف جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے کتاب میں اٹھائے گئے نکات کی تائید کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا ہے کہ مذکورہ مقدمے میں عدالت اصل نکتے سے ہٹ گئی تھی' اس لیے ضروری ہے کہ سپریم کورٹ اس مسئلے پر دوبارہ غور کرے۔

اس مقالے کا اردو ترجمہ چودھری محمد یوسف ایڈووکیٹ (۶۱۶ بی سٹیلائٹ ٹاؤن' گوجرانوالہ) نے "قرار داد مقاصد بنام سپریم کورٹ آف پاکستان" کے نام سے قدرے اختصار سے شائع کیا ہے۔ عامۃ الناس میں اس مسئلے کا شعور پیدا کرنے کے لیے ان کی یہ کوشش کامیاب اور لائقِ تحسین ہے۔ اشاعت میں مولانا زاہد الراشدی مدیر "الشریعۃ" کی معاونت قابلِ داد و ثواب ہے۔ (سلیم منصور خالد)

اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج: از اسرار عالم۔ ناشر: دین و دانش پبلی کیشنز دہلی۔ صفحات: ۱۱۴۔ قیمت: ۲۵ روپے

یہ کتاب اس یقین و اذعان کے ساتھ شائع کی گئی ہے کہ ۲۱ ویں صدی' اسلام کے غلبے اور اظہار کی صدی ہے۔ "پوری دنیا' مغربی تہذیب کے بادِ سموم سے نیم جان ہو کر

سرچشمۂ حیات کی تلاش میں سرگرداں ہے" اور "اب دنیا کے سامنے اسلام کے سوا' کوئی متبادل نظریۂ حیات نہیں ہے۔"

جناب مولف شکوہ کناں ہیں : "عصر حاضر میں بعض ملکوں کی تحریکات اسلامی میں **تمسک بالکتاب و السنتہ** کے مطلوبہ معیار کا لحاظ رکھنے کے تعلق سے کوتاہی ہو رہی ہے۔ اسی طرح عجلت پسندی اور بعض صورتوں میں معاصر طاغوتی افکار سے مغلوبیت بھی ہماری ملی کمزوریوں میں شامل ہے۔ اس کے باوجود' امت مسلمہ کو ۲۱ ویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کرنا ہے' مگر کس طرح؟--- "اس کا سیدھا' صاف اور واحد جواب یہ ہے کہ قرآن و سنت کے مطابق"--- اور یہ کہ امت شہدا علی الناس بن کر ہی اپنا رول اور فرض منصبی ادا کر سکتی ہے۔ یہی امت کا اصل وظیفہ ہے اور اس کے لیے ہر خطے میں اقامتِ دین ضروری ہے۔ مصنف کے نزدیک اقامت دین کا مفہوم ہے : دین حنیف کی مخلصانہ پیروی اور زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام پہلوؤں میں اس کا نفاذ و اجرا' تاکہ "فرد کا ارتقا اور معاشرے کی تعمیر اس کے مطابق ہو۔ یہاں تک کہ زمین پر خلافتِ عامہ قائم ہو جائے۔" مصنف کہتے ہیں کہ جب تک افراد اور اجتماعیات اس کام کو کماحقہ نہیں کر پائیں گے' نتیجہ خاطرخواہ برآمد نہیں ہوگا۔

مصنف کا ذہن بہت واضح اور صاف ہے۔ ان کے نزدیک "قرآن و سنت ہی معیارِ خیر و شر ہیں۔" وہ قرآن و حدیث کا وسیع اور گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے مغربی فکر اور تہذیب کا بھی عمدہ تعارف کرایا ہے اور اس تعارف و تجزیے کو مناسب اور ضروری حوالوں اور اقتباسات سے بخوبی لیس کر دیا ہے۔ ان کا یہ خیال بہت حقیقت پسندانہ ہے کہ : "دنیا تہذیبی' ثقافتی اور اخلاقی طور پر آج زیادہ غلام ہوگئی ہے۔ انارکی پیدا ہوئی نہیں ہے' بلکہ پیدا کی گئی ہے۔ دنیا کے سیاسی اور معاشی نظام کو براہ راست اور بالواسطہ مخصوص سمت میں چلایا جا رہا ہے' اور دنیا میں سیاسی اور معاشی اقتدار کی کلیت قائم کی جا رہی ہے۔ اس کلیت کے قیام میں سب سے متحرک عنصر ذرائع ابلاغ عامہ (Mass Media) ہے۔ اور شیطانی قوتیں' انسانیت کو گمراہی میں مبتلا رکھنے کے لیے ذرائع ابلاغ کا استعمال پوری شدت سے کر رہی ہیں"۔ آخر میں' اسرار عالم صاحب نے مختلف علوم کی اصطلاحات کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ حاصلِ مطالعہ یہ کہ ۲۱ ویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے' اول : قرآن و سنت اور جدید علوم' فکر اور سائنس کے گہرے مطالعے اور تفہیم کی ضرورت ہے'

دوم : اقامت دین کے لیے نہایت حکمت و تدبر اور بصیرت کے ساتھ--- صحیح سمت میں فعال جدوجہد ناگزیر ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

اردو میں ادبِ اطفال' ایک جائزہ : از پروفیسر اکبر رحمانی۔ ناشر: ایجوکیشنل اکادمی' اسلام پورہ' جلگاؤں' بھارت۔ صفحات ۱۱۶۔ قیمت ۳۵ روپے۔

پروفیسر اکبر رحمانی' جلگاؤں سے ایک تعلیمی جریدہ "آموز گار" شائع کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل جریدہ مذکورہ کے "ادبِ اطفال نمبر" میں مختلف اہل قلم نے ادبِ اطفال کے مسائل' فروغ و ترویج اور اس راہ کی مشکلات پر بحث کی تھی۔ یہی خاص نمبر' زیر نظر کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ لکھنے والوں میں ظ' انصاری' میرزا ادیب اور جگن ناتھ آزاد جیسے کہنہ مشق اور نامور اہلِ قلم شامل ہیں۔ ادبِ اطفال کے نقادوں اور ادیبوں کو اس مجموعے میں مفید نکات ملیں گے۔ اس ضمن میں سب سے توجہ طلب بات تو یہ ہے کہ بچوں کی اخلاقی اور تہذیبی تربیت کے لیے جامع' حکیمانہ اور سائنٹفک طریق پر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

تعلیم الفرائض یعنی تقسیم میراث : از پروفیسر عبد الرحیم ارشد۔ ملنے کا پتا : اسٹینڈرڈ بک ہاؤس' اردو بازار' لاہور۔ صفحات ۶۲۔ قیمت ۱۲ روپے۔

تقسیم میراث پر اردو زبان میں اپنی نوعیت کا منفرد کتابچہ' جس میں تمام ضروری معلومات' اختصار سے دی گئی ہیں۔ ہر باب کے آخر میں سوالات بھی قائم کیے گئے ہیں۔

وضاحت

۱۔ ترجمان القرآن میں ترجیحاً دینی اور علمی کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔

۲۔ تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

۳۔ تبصرے کے لیے مطبوعات براہ راست: مدیر ترجمان القرآن منصورہ' لاہور ۵۴۵۷۰ کو بھیجی جائیں۔